

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اشارات

ایک شخص نے اٹھ کر بڑے جوش و خروش کے ساتھ اعلان کیا کہ آؤ، میرے پیچھے چلو، میں دین کا جھنڈا بلند کروں گا۔ مسلمان ہر طرف سے سمٹ کر اس کے گرد جمع ہو گئے۔ اس نے ان کے سامنے دھواں دھار تقریر کی اور پوسے زور کے ساتھ اس ارادے کا اظہار کیا کہ صدیوں سے دین حق کی جو عمارت ویران پڑی ہے، اب انشاء اللہ وہ میرے ہاتھوں از سر نو اپنی اصلی شان میں قائم ہوگی۔ اتنے میں نماز کا وقت آ گیا۔ لوگ انتظار کرنے لگے کہ اب یہ تجدید دین کا مدعی خود آگے بڑھ کر اذان دیگا اور ہمیں مسجد کی طرف لے چلے گا۔ مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ آخر لوگوں نے تقاضا شروع کیا کہ حضرت اب دین کے پہلے سترن کو قائم کرنے کا وقت آ گیا ہے، حضور صدائے اذان بلند فرمائیں۔ لیکن ہر تقاضے کو وہ ایک کان سن کر دوسرے کان اڑاتا رہا اور جس نے بہت تنگ کیا اسے طرح طرح کے جیسے بہانے کر کے ٹال دیا۔ آخر کار جب نماز کا وقت تنگ ہونے لگا تو سارا مجمع چیخ اٹھا۔ ہر طرف سے مطالبہ ہوا کہ اذان دی جائے۔ مجبور ہو کر بے چارے نے باوہل ناخواستہ اذان دی۔ مگر زبان کی لکنت اور لہجے کی چکچکاہٹ خبر دیتی رہی کہ یہ اذان کس جذبے کے ساتھ دی جا رہی ہے۔ جوں توں کر کے اذان کا مرحلہ ختم ہوا۔ لوگ ابھی دعائی مانگ رہے تھے کہ داعی دین سیدھا اپنے بنگلے میں داخل ہو گیا۔ لوگ سمجھے کہ حضرت وضو کے لیے تشریف لے گئے ہیں۔ مگر وہ یکا یک سوٹ اور ہیٹ پہنے ٹینس کار ریٹ بغل میں لیے برآمد ہوئے اور موٹر میں بیٹھ کر سیدھے کلب کی جانب چل پڑے۔ یہ عجیب حرکت دیکھ کر مجمع میں پھر ایک بے چینی پیدا ہوئی۔ کچھ لوگ موٹر کے پیچھے دوڑے، کچھ اُس کے آگے آن کھڑے ہوئے اور کلب کا راستہ روک لیا۔ داعی دین نے برا فرود خنہ ہو کر لوگوں کو بہت گالیاں دیں اور چاہا کہ راستہ روکنے والوں کو کچلتا ہوا آگے بڑھ جائے۔ مگر

کامیابی نہ ہوئی۔ مجبوراً رک جانا پڑا۔ اب مجمع اصرار کر رہا ہے کہ موٹر مسجد کی طرف چلے۔ اور داعی اسلام صاحب اس تاک میں گئے ہوئے ہیں کہ ذرا نکل بھاگنے کا راستہ ملے تو سیدھے کلب کی راہ لیں۔ اس کشمکش کے دوران میں کبھی وہ خود اپنی زبان سے یہ نہیں فرماتے کہ میں نماز کا قائل نہیں ہوں یا مسجد جانے کے لیے راضی نہیں ہوں۔ مگر حال یہ ہے کہ مجمع میں جو دس بیس منافق اور حراد ہر کھڑے کھڑے ہیں ان میں سے ہر ایک کو حضرت اس نگاہ سے دیکھ رہے ہیں جیسے کہ یہی تمکا انہیں ٹوبنے سے بچائے گا۔ کوئی مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے پکار رہا ہے کہ "میاں، کس مسجد کی طرف چلیں؟ اہل حدیث کی؟ حنفیوں کی؟ یا شیعوں کی؟ تمہاری کوئی ایک مسجد ہو تو اس کی طرف چلیں" یہ آواز سنتے ہی حضرت داعی اسلام کی جان میں جان آجاتی ہے اور وہ نظریں پھا کر ٹوٹوں کا ایک بندل اس کی طرف پھینک دیتے ہیں کسی طرف سے آواز آتی ہے کہ کوئی قرآن سے نماز کا طریقہ بتا دے تو میں اسے انعام دوں! داعی اسلام صاحب فوراً اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور داد بھرے لہجے میں فرماتے ہیں کہ "حضرت آپ جیسا قیمتی آدمی وہاں کہاں کھڑا ہے، آئیے میری موٹر میں تشریف رکھیے" اس طرح یہ تجدید دین کا نیک ارادہ رکھنے والے بزرگ ہر طرف سے منافقین کو سمیٹ سمیٹ کر اپنے گرد جمع کر رہے ہیں تاکہ ان کا بھی ایک جتھہ بن جائے اور اس کی مدد سے موٹر کو کلب کی طرف لے بھاگنے کا موقع مل جائے۔ لیکن یہ تعداد اتنی تھوڑی ہے کہ اگر یہ سب جمع بھی ہو جائیں تو مجمع عام کے مقابلے میں کچھ نہیں بنا سکتے۔

یہ ہے مثال اس قیادت کی جس نے اسلامی حکومت کے قیام کا وعدہ کر کے، اور پاکستان کا مطلب کیا، لا الہ الا اللہ کہہ کر مسلمانوں کو اپنے پیچھے لگایا تھا جب تک اس وعدے کو وفا کرنے کا وقت نہ آیا تھا، اس قیادت کی ساکھ مسلمانوں میں جمی رہی۔ اس پر مسلمانوں نے اتنا اعتماد کیا جتنا شاید ہی کسی قوم نے اپنی قومی قیادت پر کیا ہو۔ اس کے اشارہ اور پر ساری قوم حرکت کرتی رہی۔ اس کی تمام کمزوریاں اور خامیاں روز روشن میں مسلمانوں کے سامنے آئیں مگر انہوں نے محض اس مقصد عظیم

کی خاطر ان کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں، اور لاکھوں جانیں، اربوں روپے کی جائیدادیں اور ہزار ہا عھتیں قربان کر کے اس قیادت کو وہ اقتدار دلوں اور چھوڑا جس سے وہ اسلامی حکومت کا وعدہ وفا کرنے کے قابل ہو سکے۔ لیکن جب ایقائے عہد کا وقت آگیا اور مسلمان انتظار کرنے لگے کہ یہ قیادت سچے اور ایماندار لوگوں کی طرح خود آگے بڑھ کر اس چیز کا اعلان کرے گی جس کے وعدے پر اس نے اپنی قوم کا یہ اعتماد حاصل کیا تھا، تو ہینوں پر ہینے گزرتے چلے گئے اور قیادت علیا کے مرکز سے صدائے اذان بلند نہ ہونی تھی نہ ہوئی۔ آخر کار سارے ملک میں شور برپا ہو گیا۔ ہر طرف سے نقلیے شروع ہوئے۔ تاریخیں گئے۔ خطوط کی بھرمار ہوئی۔ جلسوں میں مطالبے کیے گئے۔ تب کہیں قیام پاکستان کے نہیں ہینے بعد فرار اور مقاصد کی "اذان" دی گئی اور وہ بھی صاف الفاظ میں نہیں بلکہ ایسے پیچیدہ الفاظ میں جن سے بس منطقی استنباط ہی کے طور پر اسلامی حکومت کا مفہوم اخذ کیا جا سکتا تھا۔ اس کے بعد پھر ایک طویل وقفہ آیا جس میں لوگ انتظار کرتے رہے کہ اب کچھ اس "دعو" کی تیاریاں کی جائیں گی جو اسلامی حکومت کی نماز کے لیے ضروری ہے۔ کچھ حکومت کے رنگ ڈھنگ بدیں گے۔ کچھ نظام تعلیم بدلیگا۔ کچھ قوانین میں رد و بدل ہوگا۔ کچھ عوام کی ذہنی و اخلاقی اصلاح کی تدبیریں کی جائیں گی۔ کچھ کارپردازان حکومت کے اخلاق درست ہونگے۔ اور خود لیڈر صاحبان بھی کچھ اپنے طور طریقے ٹھیک کریں گے۔ مگر وہاں سب کچھ ان امیدوں کے برعکس ہوتا رہا اور اذان کے اٹھارہ ہینے بعد یکایک یہ قیادت وہ دستوری سفارشات لیے ہرٹے برآمد ہوئی جن میں صریح طور پر اسلامی حکومت کے بجلئے ایک لادینی حکومت کا خاکہ پیش کیا گیا تھا۔ ارادہ یہ تھا کہ لوگوں کے ہوشیار ہونے سے پہلے ہی گاڑی "سیکورزم" کی طرف چلا دی جائے، چنانچہ بنیادی حقوق کی رپورٹ جھٹ پٹ دستور ساز اسمبلی میں پاس کر بھی ڈالی گئی، مگر بنیادی اصولوں کا معاملہ ٹمک کر رہ گیا اور لوگوں نے ہر طرف سے ہجوم کر کے گاڑی روک لی۔ اس کے بعد سے اب تک پورے ستائیس ہینے اس حال میں گزرے ہیں کہ ایک طرف مسلمان من حیث القوم اس اسلامی نظام کا مطالبہ کرتے رہے ہیں جس کا وعدہ کر کے ان سے قیام پاکستان کے لیے اتنی ہولناک قربانیاں کرائی گئی تھیں، اور دوسری طرف یہ قیادت اس سے یوں جان بچاتی رہی ہے جیسے

کہ اسلامی نظام کسی پچاسی کا نام ہے جو اس کے گلے میں ڈالی جانے والی ہے۔ اس دوران میں اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا کہ اسلام کے دستوری اصول اُسے پسند نہیں ہیں۔ زبان سے وہ اسلام ہی اسلام پکارتی رہی ہے۔ مگر عملاً اس نے ملک بھر سے چُن چُن کر منافقوں کو اکٹھا کیا ہے تاکہ وہ اسلام اور اس کے دستور اور قانون کے خلاف غلط تمبیاں پھیلائیں۔ روپے سے دسے کر دینی حکومت کے خلاف اور لادینی حکومت کے حق میں مضامین لکھواٹے ہیں۔ ہر اس شخص کی بیٹھ بٹھونکی ہے جو مسلمانوں کے مذہبی اختلافات کو اجارا بھار کر سامنے لاتے اور اسلامی ریاست کے قیام کی راہ میں روڑے اٹکاتے۔ پرانے پرانے بدنام کمیونسٹوں تک کو اس نے اسلام کے مذاق استعمال کرنے میں باک نہیں کیا ہے۔ جس شخص کو بھی اس کے دربار میں اغزاز حاصل کرنا ہوتا ہے وہ پوری ڈھٹائی کے ساتھ اٹھ کر اسلامی دستور کے مطالبے کو چیلنج کر دیتا ہے اور اس کے چند ہی روز بعد ہم سنتے ہیں کہ اسے کوئی بڑی تنخواہ یا کوئی اونچی کرسی پیش کر دی گئی۔

اس روش کا حاصل کیا ہوا ہے؛ شاید دنیا میں کوئی دوسری مثال ایسی نہیں ملے گی کہ کوئی قیادت پانچ سال کی مختصر مدت میں اپنی قوم کے اندر عزت اور محبوبیت کے اتنے اونچے مقام سے گزر کر ذلت اور مینگویت کی اتنی نیچی سطح تک گر گئی ہو۔ آج ہزاروں ایک مسلمان بھی مشکل ہی سے ایسا ملتا ہے جو ان لوگوں کو کلمہ خیر سے یاد کرتا ہو۔ آج ایک ماہ چلتے آدمی کو آپ ذرا چھپڑ کر اس کے سامنے ان کا ذکر کر دیں، پھر آپ سن لیں گے کہ وہ کن الفاظ سے ان کی تواضع کرتا ہے۔ آج حالت یہ ہوئی ہے کہ ریلوں میں، بسوں میں، بازاروں میں، اور چار آدمیوں کی کسی سوسائٹی میں کہیں کوئی شخص اگر ان کی مداخلت میں ایک لفظ زبان سے نکال دے تو اس کو اپنی جان چھڑانی مشکل ہو جاتی ہے۔ نفرت اور ناراضی کا ایک طوفان ہے جو دلوں سے ابل رہا ہے اور زبانوں سے نکلا پڑتا ہے۔ سرکاری ملازمین تک، جو برسر اقتدار گروہ کی مخالفت سے متاثر ہونے میں عموماً سب سے پیچھے ہوا کرتے ہیں، یہ عام ناراضی پھیل چکی ہے، اور چھوٹے کارکنوں سے لیکر بڑے سے بڑے افسروں تک جس کو دیکھیے اس

قیادت کے خلاف تسکونہ سنج نظر آ رہا ہے۔ ایک نہایت ناقابل لحاظ اقلیت کے سوا، جس کی موت وزیت اسی قیادت کی کشتی سے وابستہ ہے، اب کوئی بھی اس کے ساتھ نہیں ہے۔ عام لوگ اس سے بیزار بھی ہیں اور مایوس بھی۔ یہ جو کچھ ہوا ہے ٹھیک قانونِ فطرت کے مطابق ہوا ہے۔ خدا اور اس کے دین سے مکاری کرنے والے کبھی دنیا میں باعزت نہیں رہ سکے ہیں۔

اس درجہ بے وقار اور سافظا اعتبار ہو چکنے کے بعد اب بھی یہ قیادت اس بات پر تلی ہوئی ہے کہ قوم کی عام خواہش کو ٹھکرا کر زبردستی اپنی من مانی چلائے۔ یہ جسارت آخر کس بھروسے پر کی جا رہی ہے؟ جن چیزوں پر یہ لوگ اعتماد کیے ہوئے ہیں وہ صرف تین ہیں:-

اول یہ کہ ان کی آئینی پوزیشن مضبوط ہے قبل تقسیم کے مخصوص حالات میں مجلس دستور ساز جو ملک کی پارلیمنٹ بھی ہے، اس طرح بنائی گئی تھی کہ اس میں نہ صرف اس وقت مسلم لیگ کو بھاری اکثریت حاصل ہوئی، بلکہ جب تک نیا دستور نہ بن جائے، اس کی یہ اکثریت جوں کی توں قائم رہے گی۔ یہ اسمبلی اس پوزیشن میں ہے کہ تمام ملک کی متحدہ مزاحمت کے باوجود اپنی مرضی کا ایک دستور بنا سکتی ہے اور وہ دستور آئینی طور پر ملک کا دستور قرار پاسکتا ہے۔

دوم یہ کہ ملک کا نظم و نسق عملاً اس وقت ان کے قبضے میں ہے۔ خزانہ، فوج، پولیس، عدالت، جیل، سب ان کے ہاتھ میں ہیں، اور بڑی حد تک تجارت اور خوراک کی کنجیوں پر بھی وہ قابض ہیں ان کو اعتماد ہے کہ ان طاقتوں سے کام لے کر وہ لوگوں کی عام ناراضی کے باوجود زبردستی اپنا من مانا دستور نافذ کر سکیں گے اور پچھلے صوبائی انتخابات میں جو کامیاب تجربے وہ کر چکے ہیں ان کی بنا پر وہ امید رکھتے ہیں کہ لوگ اگر سو فیصدی بھی ان سے ناراض ہوں تو وہ کم از کم ۹۰ فیصدی ووٹ اپنے انتخابی کرتیوں سے ضرور حاصل کر لے جائیں گے۔ اس طرح نہ صرف آج، بلکہ آئندہ بھی وہ اقتدار پر قابض رہنے کی پوری توقع رکھتے ہیں۔

سوم یہ کہ ان کو اپنی قوم کی جہالت اور اخلاقی کمزوریوں پر پورا بھروسہ ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ

یہاں نہ سرکاری ملازمتوں میں ایمان فروشوں کی کوئی کمی ہے نہ عام پبلک میں، اور قوم کی رائے عام کا حال یہ ہے کہ جھوٹ کا کوئی طوفان اٹھا کر ہر وقت اس کو قریب دیا جاسکتا ہے۔

یہ تینوں چیزیں بے شک ایسی ہیں کہ دنیا کا ہر نادان گروہ انہیں پا کر نخوت کے نشے میں سرمست ہو سکتا ہے اور قدیم ترین زمانے کے جباروں سے لے کر شاہ قاروق تک سب اپنے اپنے وقت میں ان سے سرمست ہوتے رہے ہیں۔ مگر اس طرح کے لوگ بالعموم ایک حقیقت کو بھول جاتے ہیں اور وہی ان کے لیے آخر کار تباہ کن ثابت ہوتی ہے۔ ان کو یہ یاد نہیں رہتا کہ عزت اور اقتدار کے لیے اصل ضمانت، طاقت نہیں بلکہ حکمرانوں پر لوگوں کا قلبی اعتماد ہے۔ اور یہ اعتماد اگر حاصل سکتا ہے تو صرف اس طرح کہ حکمران اپنے اخلاق سے اور اپنی خدمت سے لوگوں کے دل مستخر کریں اور جو قدم بھی اٹھائیں اس کے برحق ہونے پر دلیل و محبت سے لوگوں کو مطمئن کر دیں۔ جو حکمران یہ اعتماد حاصل کر لیتے ہیں ان کو سچی عزت حاصل ہوتی ہے اور ان کا اقتدار مستحکم ہوتا ہے۔ ان کی حکومت ایک بوجھ کی طرح سروں پر لدی ہوتی نہیں ہوتی کہ محض ایک جھبکا اسے اتار پھینکنے کے لیے کافی ہو۔ بلکہ اس کی جڑیں لاکھوں کر قدم بند گان خد کے قلوب میں گہری جھی ہوئی ہوتی ہیں جن کو اکھاڑ پھینکنا آسان نہیں ہوتا۔ رہے وہ لوگ جو اس طرح کی چیزوں پر بھروسہ کرتے ہیں جن پر بیماری موجودہ قیادت بھروسہ کر رہی ہے، تو وہ ہمیشہ برا انجام دیکھتے رہے ہیں، اور ایسا اوقات ان کی حاکمیتوں سے ان کی پوری قوم پر ایسی تباہی نازل ہوئی ہے جن کی بدولت بعد کی نسلیں صدیوں تک ان پر لعنت کرتی رہی ہیں۔ تاریخ اس قسم کی عبرتناک مثالوں سے بھری پڑی ہے، اور خود اس زمانے میں بھی اس کی نہایت سبق آموز مثالیں ہمارے سامنے آچکی ہیں۔ اس پر بھی اگر کوئی سبق نہ حاصل کرے تو یہ اس کی اپنی بد قسمتی ہے۔

پچھلے چند ہینوں میں جماعت اسلامی کے کارکنوں نے اسلامی دستور کے لیے پورے پاکستان کی رائے عام کو ہموار کرنے کی جو کوشش کی ہے اس کے دوران میں ان کو چند نہایت اہم تجربات ہوئے

ہیں اور ان کو ہم یہاں صرف اس لیے بیان کرتے ہیں کہ اگر موجودہ قیادت میں فکر و بصیرت کی کوئی ریت بھی باقی ہے تو وہ ان سے صحیح نتیجہ اخذ کرے۔ ہمارے کارکن اس جدوجہد کے دوران میں ٹرکوں پر، بازاروں میں، جلسے کے اجتماعات میں، محلوں اور گلیوں میں، قصبوں اور دیہات میں، بلا انتخاب ہر شخص تک پہنچنے کی کوشش کرتے رہیں اور ہر ایک کے سامنے انہوں نے اسلامی دستور کا مطالبہ پیش کیا ہے تاکہ اگر وہ اس سے اتفاق رکھتا ہو تو اس کی تائید کرے۔ یہ ایک طرح کا استصواب عام ہے جس کے دوران میں حسب ذیل نتائج مشاہدے میں آئے ہیں :-

کم از کم ۹۰ فی صدی آدمی ایسے ہیں جنہوں نے بلا تامل اس مطالبے پر نہ صرف دستخط کیے ہیں بلکہ زبان سے اپنے گہرے جذبات کا اظہار بھی کیا ہے۔

بقیہ دس فی صدی میں بھی عظیم اکثریت ایسے لوگوں کی پائی گئی ہے جنہوں نے زبان سے اس کی تائید کی ہے، مگر دستخط کرنے سے صرف اس لیے انکار کیا ہے کہ یا تو وہ ملازم ہیں، یا کسی اور طرح موجودہ اقتدار سے ان کا مفاد وابستہ ہے اور ان کو ڈر لگتا ہے کہ اس مطالبے پر اگر ان کے دستخط پائے گئے تو انہیں نقصان پہنچ جائے گا۔

بیشکل ایک فی صدی آدمی ایسے پائے گئے ہیں جنہوں نے اس مطالبے سے یا اس کی کسی شقی سے اختلاف ظاہر کیا ہے۔

کم از کم ۸۰ فی صدی آدمی ایسے پائے گئے ہیں جنہوں نے دستخط کرنے کے ساتھ کسی نہ کسی طور پر اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ ”چاہے ساری قوم بلا اتفاق اس چیز کا مطالبہ کرے، مگر باپ اقتدار کریں گے وہی جو ان کے جی میں ہے“ یہ اس بات کی کھلی ہوئی علامت ہے کہ لوگ بالعموم موجودہ قیادت سے مایوس ہیں اور یہ خیال ان کے ذہن میں بیٹھ گیا ہے کہ یہ قیادت اب استبداد پر اتر آئی ہے اور اسے رٹے عام کی بالکل پروا نہیں ہے۔

کم از کم ۲۵ فی صدی آدمی ایسے ہیں جنہوں نے دستخط کرتے ہوئے صرف مذکورہ بالا مایوسانہ خیالات ہی ظاہر کرنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ علانیہ کہا کہ صاحب ان جلسوں اور قراردادوں (باقی صفحہ ۳۳ پر)